

کسی مفتی کا کام دنیا کے سیکولر مرجع قوانین کے ماہر کی طرح صرف قانون کی دفعات بتا دینا نہیں ہوتا۔ بلکہ فتویٰ دراصل دینی رہنمائی کے نظام کا نام ہے جس کا رول صرف قانون کی تشریح نہیں، بلکہ اپنے زمانے میں دینی رہنمائی کے نظام کے تمام تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔

اس اعتبار سے دیکھئے تو مفتی کا کردار اگر ایک طرف کتاب و سنت اور دین کے حقائق کی ترجمانی ہے تو دوسری طرف اس کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے زمانے کی صورت حال اور خصوصاً دینی صورت حال کے تمام پہلوؤں یعنی عقل و فطرت کی کجی و گم راہی، اسلام کے سامنے درپیش چیلنجز، اسلامی شریعت پر وارد ہونے والے اعتراضات، معاشرتی و معاشی نظام کی تبدیلیوں اور زمانے کی رفتار کے ساتھ انسانوں کے مزاج و شعور میں پیدا ہونے والے تغیر کو مد نظر رکھتے ہوئے شریعت کی ایسی ترجمانی بلکہ وکالت و حمایت کرے جس سے شریعت حق و عدل دونوں کے بلند ترین درجے پر قائم نظر آئے۔ ذیل میں اس سلسلے میں چند ضروری اور قابل لحاظ امور کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

(۱) اس سلسلے کی سب سے پہلی بات یہ ہے کہ یہ شریعت انسانوں کے بنائے ہوئے مادی زعمی کے قوانین کا مجموعہ نہیں۔ انسانی قوانین کی تشریح محض عقل و ذہانت اور دفعات اور نظیروں کے داؤ پیچ سے کی جاسکتی ہے، لیکن اسلامی شریعت کا فہم ایک مخصوص ذوق و فکر اور خاص مزاج و طبیعت کے بغیر ممکن نہیں۔ اس کا فہم و بصیرت صرف عقل و علم سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کے لیے اس مزاج و ذوق بلکہ قلبی روشنی کی ضرورت ہوتی ہے جس کو قرآن نے دینی رہنمائی اور فتویٰ کے لیے ایک لازمی مفت ”رہانیت“ کہا ہے۔ ولکن کونو اربانین بما کنتم تعلمون الکتاب وبمنا کنتم تدرسون یعنی تم چونکہ اللہ کی کتاب پڑھاتے ہو اور دین پڑھتے ہو اس لیے رہانی بن جاؤ۔

محترم حضرات! علماء کرام کے مجمع کے سامنے زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں صرف اشارے کافی ہیں۔ یہ بات ہم سب کو معلوم ہے کہ یہ دین صرف عقل اور مادی دنیا کے ظاہری مصالح پر مبنی نہیں ہے۔ اس کی منزل تک رسائی کے لیے صرف مصالح دنیا کی رعایت اور عقل کی روشنی کافی نہیں۔ بلکہ اس راہ میں ہم روحانی روشنی اور قلبی بصیرت کے بغیر نہیں چل سکتے۔ یہ شریعت کے کونی عناصر اور مزاج و طبیعت کا تقاضہ ہے۔ اس کو نظر انداز کر کے ہم شریعت کو جاننا

حاصل کر سکتے۔ قرآن نے صاف صراحت کی ہے کہ اس کے لیے ہم کو براہ راست اللہ تعالیٰ کی خاص رہنمائی اور مدد کی ضرورت ہوگی اور جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خصوصی فیض حاصل نہیں ہوگا وہ پورے طور پر اس بصیرت کو حاصل نہیں کر سکتا۔ سورہ رعد میں کچھ لوگوں کے بارے میں آتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ ان کو گمراہ کر دیتا ہے اور جن کو مخصوص ہدایت بلکہ ہدایت یابی کا اعلیٰ مقام حاصل ہوتا ہے ان کی مفت بیان فرمائی ہے کہ وہ انابت اور اللہ کی یاد سے اُنس و اطمینان کی قلبی کیفیات کے حامل ہوتے ہیں۔ ویبھدی الیہ من اناب۔ (اور اس کے بعد ان ”من اناب“ کے مصداق لوگوں کی نشانی اور علامت یہ بتائی کہ) اللہین آمنوا و تطمئن قلوبہم بذكر اللہ۔

حضرات گرامی! اصل بات یہ ہے کہ اس دین کے مخصوص ایمانی مزاج کے عناصر میں دیگر چیزوں کے ساتھ کچھ خاص کیفیات اور باطنی حالات کا خمیر ایک خاص مقام رکھتا ہے اور دینی مزاج و بصیرت پیدا کرنے میں ان کیفیات کا خاص حصہ ہے۔ قرآن اور سنت نبوی میں اس طرف واضح اور صریح اشارے آئے ہیں کہ اس دین و شریعت کو سمجھنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل ایمان کو شرح صدر کی ایک خاص کیفیت اور قلبی اطمینان و یقین کا ایک خاص درجہ عطا فرمایا جاتا ہے اور مندرجہ ذیل آیت میں صاف بتایا گیا ہے کہ یہ ایک قسم کا ربانی نور ہوتا ہے اور اس کا خاص سرچشمہ ذکر اللہ ہے۔ **المن شرح اللہ صدرہ للاسلام فهو علی نور من ربہ فویل للقاسیة قلوبہم من ذکر اللہ** (الزمر: ۳۹)

یعنی کیا وہ جس کے سینے کو اللہ اسلام (کی بصیرت) کے لیے کھول دے تو وہ اپنے رب کی طرف سے ایک روشنی اور نور پر ہوا درودہ جودل کے تحت ہوں (فہم و بصیرت میں) برابر ہو سکتے ہیں تو برہادی ہوا ان لوگوں کے لیے جو اللہ کی یاد سے بیگانے ہو کر دل کے تحت ہو گئے ہیں۔

اہل علم اگر آیت میں غور کریں گے تو اس میں یہ اشارہ بھی پائیں گے کہ ذکر اللہ سے بیگانگی اور عدم مناسبت ایک ایسی قلبی قسوت کا سبب بنتی ہے جو بصیرت کا حجاب بن جاتی ہے۔ اسی لیے قرآن نے شرح صدر کی نعمت سے محروم اور نور الہی سے بے بہرہ لوگوں کی اس محرومی و نارسیدگی کا سبب یہ بتایا ہے کہ وہ ”القاسیۃ قلوبہم من ذکر اللہ“ ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے جب دریافت کیا گیا کہ نئے مسائل میں ہم کیا کریں تو آپ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں جو اجتماعی اجتہاد کے لیے ہمارا خاص رہنما ہے فرمایا: تشاور و اہیہا الفقہاء و العابدین۔ (المعجم الاوسط للطبرانی حدیث: ۱۶۱۸) تم ایسے معاملات میں فقہاء اور عبادت گذاروں سے مشورہ کرنا۔

فقہائے کرام افتہ و فتویٰ کے لیے احکام کے مدارج اور دین کے نظام ترجیحات کی معرفت و بصیرت ضروری ہے۔ مذکورہ نصوص سے پتہ چلتا ہے کہ ذکر و عبادت اور تعلق مع اللہ کی کیفیات کا اسلامی شریعت کے مزاج و مذاق اور اس

کی روح کی بصیرت میں کچھ خاص دخل ہے۔ جب تک ذہن و ذوق اس خاص رنگ سے جو کہ صبحہ اللہ ہے رنگ نہ جائیں صحیح دینی بصیرت حاصل ہونا مشکل ہے۔

قرآن بتاتا ہے کہ شریعت اور احکام دین کی یہ بصیرت و حکمت خالص ذہانت اور علم و عقل سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ حاصل طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا قلب و نظر پر انکشاف ہوتا ہے ارشاد ہوتا ہے:

انا انزلنا الیک الكتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ

اے علم غور فرمائیں۔ یعنی نصوص کے بعد بھی کوئی چیز ہے جس کو ”اراک اللہ“ سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ اور یہ وہی ذوق و وجدان ہے جس کے آں حضرت ﷺ امام اکبر تھے۔ آپ ﷺ نے یہ بھی اشارہ فرمایا کہ دین کی یہ بصیرت آپ ﷺ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: من یرد اللہ بہ خیراً یفقهہ فی الدین یعنی اللہ جس کے بارے میں خیر کا فیصلہ کرتا ہے اس کو اپنی جناب سے دین کی سمجھ اور فقہ سے نوازتا ہے۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے مجمل امتوں کے صاحب الہام والقاہ حضرات کا تذکرہ کر کے امت مسلمہ میں انکے وجود کی خبر دی ہے:

انہ لیمین کان قبلکم اناس محدثون۔

(۲) حضرات گرامی! حالات حاضرہ اور معاصر صورت حال کے ایک اور پہلو کی طرف توجہ ہمارے دینی رہنمائی کے نظام کے لیے ضروری ہے۔ ہم آپ جس زمانے میں ہیں، اس میں کفر براہ راست اہل ایمان سے اطاعت کا مطالبہ کر رہا ہے۔ قرآن نے ظہر کفر کے زمانے میں اس کے جن چیلنجز کے بارے میں ”یصدون عن سبیل اللہ و یغوہو لہا عوجاً“ کہا تھا، وہ دونوں اس وقت وسیع ترین پیمانے پر موجود ہیں۔ ”صدعن سبیل اللہ“ کی کوششوں کے علاوہ اسلام کو بدنام کرنے کی کوششیں جن کو قرآن نے ”و یغوہو لہا عوجاً“ سے تعبیر کیا ہے، صدر اسلام سے بھی زیادہ فتنہ انگیز ہیں۔ پروپیگنڈے کے شور نے اچھے اچھوں کو حواس باختہ کر دیا ہے۔

ہم اسلام کے عقائد و افکار، نظام اخلاق و معاشرت اور شریعت کے خلاف جس پروپیگنڈے کے طوفان کا مقابلہ کر رہے ہیں اور جس نے کارفتویٰ کو نہایت نازک بنا دیا ہے اس کے بارے میں ہمیں یہ مختصر رکھنا چاہیے کہ قرآن نے بتایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے دین کے مخالفین کے ساتھ شیاطین کی مدد ہوتی ہے، وہی ان کے اولیاء ہوتے ہیں جو ان کو باقاعدہ دین و شریعت کے خلاف دلیلیں بجاتے اور پروپیگنڈے اور اتہامات کے چمکنڈے بتاتے ہیں، تاکہ وہ مناظروں، مباحثوں اور پروپیگنڈوں کے ذریعے سرمایہ یقین و ایمان پر ڈاکے ڈالیں۔

وان الشیاطین لیوحدون الیٰ اولیائہم لیجادلوکم وان اطعتموہم انکم لمشرکون۔ اور شیاطین اپنے چیلوں کو دلیلیں اور حربے بجاتے ہیں تاکہ وہ تم سے بحثیں کریں اور اگر تم نے ان کی مانی تو تم مشرک ہو جاؤ گے۔

غزوہ احزاب کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ اور شریعت کے احکام پر اعتراضات اور الزامات کا زبردست شواہد، اس پروپیگنڈے کی آندھی میں، جیسا کہ صحابہ کرام نے بیان کیا ہے، اچھوں اچھوں کے قدم لڑکھڑا گئے۔ بلکہ خود قرآن نے کہا تھا: **وَلَيْسَ لَكُمْ مَسَاعُونَ لَهُمْ** "اس موقع پر سورہ احزاب اتری اور اس میں واضح کاف انداز میں ہدایت دی گئی کہ اللہ سے ڈرو اور کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کرنا۔ **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تَطْعَمِ الْكَاظِمِينَ وَالْمُنَافِقِينَ**۔ یہاں حق و باطل کی کشمکش کی تاریخ کا ہم کو یہ ایک اہم اصول بتایا گیا ہے کہ اسلام، رسول اسلام اور شریعت اسلام پر اعتراضات اور ان کے خلاف اس بدنام کن مہم میں منافقین کے لشکر کفار کی فوج کی مدد کرتے ہیں اور اہل ایمان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ بھی کفر سے مطیعانہ صلح کر لیں۔ "وَدَاوُلُوا تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ"۔ وہ امت کی صفوں میں کفر کے ایجنٹ اور ہم نو اہوتے ہیں۔ آگے سورہ احزاب میں اسی سلسلہ بیان میں انبیاء اور ان کے اہل حق وارثوں کی صفت یوں بیان کی کہ: **الَّذِينَ يَبْلُغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ** جو لوگ اللہ کے پیغامات پہنچائے جاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں اور اس کے سوی کسی سے نہیں ڈرتے۔

اس وقت فتویٰ کے نظام کو اسی اصول پر قائم رہنا اور بلا خوف لومۃ لائم شریعت کی بے کم و کاست ترجمانی کر کے وراثت نبوت کی جانشینی کا حق ادا کرنا ہے۔

حضرات گرامی! اس چیلنج کے ساتھ ایک اور امتحان طبع کی عشوہ گری کا بھی ہے۔ ائمہ کفر تر حیب کے ساتھ ترغیب کے ہتھیار بھی استعمال کر رہے ہیں اور اس بڑے پیمانے پر کر رہے ہیں کہ: **الامان، الحفیظ**۔ اس کثیر بکیتی چیلنج نے استقامت و ثبات کو مشکل بنا دیا ہے۔

موجودہ دور میں اقامہ کے سامنے یہ امتحان ہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ رہا کی حلت ہو یا مرد و زن کا اختلاط، تعدد ازواج کی حرمت ہو یا جہاد کی منسوخی ہر طرح کے فتوے بازار میں حاضر ہیں۔ مشکلات بھری اس راہ پر ثبات و استقامت کی قوت کا خزانہ صرف تعلق مع اللہ اور توکل و عزیمت میں ہے۔ عہد نبوی میں مسلمانوں کے سامنے جب اس طرح کے چیلنج بہت بڑھ گئے تھے اور ان کو عزیمت و ہمت کے ساتھ راہ حق پر جتنے کے یہ احکام دیے گئے کہ: **فَاسْتَقِمُّوا** امرت و من تاب معک ولا تطغوا انہ بما تعملون بصیر ولا تترکوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار یعنی اے رسول تم اور تم پر ایمان لانے والے راہ حق پر اس طرح جم جاؤ جس طرح تم کو حکم دیا گیا ہے اور ذرا انحراف نہ کرنا اللہ تمہارے طرز عمل کو خوب دیکھنے والا ہے۔ اور ظالموں کی طرف مائل نہ ہونا ورنہ جہنم کی آگ پکڑ لے گی۔

تو اسی کے ساتھ فوراً یہ بتا دیا گیا کہ اس راہ پر جتنے کے لیے جس جمیعت باطنی اور حوصلے اور ہمت کی ضرورت

ہے اس کا سرچشمہ عبادت و تعلق مع اللہ یعنی اقامت صلاۃ ہے۔ واقم الصلاۃ طرفی النهار و زلفاً من اللیل۔
حضرات! عصر حاضر کا یہ چیلنج بڑا سخت ہے، کفر کے اس چیلنج کے سامنے ہمارے دینی رہنمائی کے نظام میں اگر
ممبر و عزیمت کی یہ طاقت نہ ہوئی تو یہ سر بلند ینا بھی خدا نخواستہ اسی طرح کفر کی پابوسی کرے گا جس طرح مشرق کی دیگر
تہذیبوں، مذاہب اور اخلاقی نظاموں نے کی ہے۔

حضرات گرامی! نظام فتویٰ کی ایک خاص ضرورت کے بارے میں ایک کم علم اور جی مایہ عمل نے کوشش کی
ہے کہ اکابر اہل علم کے خیالات کو یکجا کر دے۔ آپ حضرات، بخوبی واقف ہیں کہ اس ضرورت کو کسی محدود کوشش اور لگے
بندے انداز سے پورا نہیں کیا جاسکتا۔ اس شجر کی بار آوری کے لیے ہمارے نظام تعلیم و تربیت کی پوری فضا کو سازگار
بنانے اور اس مقصد اور ہدف کے لحاظ سے اسے ایمان افروز اور روح پرور بنانے کی ضرورت ہے۔

(۳) محترم علماء کرام! جیسا کہ اوپر کی سطروں میں اشارہ آچکا ہے، ہمارا یہ زمانہ غلبہٴ اسلام کی صدیوں سے اس
لحاظ سے بالکل مختلف ہے کہ مغرب کے فکری و تہذیبی غلبے نے مسلمانوں اور غیر مسلموں کی عقلوں پر نہایت گہرے
اثرات مرتب کیے ہیں۔ مغرب نے پوری دنیا میں نئی عقلیت پیدا کر دی ہے۔ ساری دنیا میں ذہن و فکر کے سانچے ہی
بدل گئے ہیں۔ پہلے جو باتیں بغیر کسی تردد کے قابل قبول تھیں آج مشکوک بنی ہوئی ہیں۔ اس تبدیلی نے فتوے اور دینی
رہنمائی کے ہمارے پورے نظام کے سامنے بالکل نئے چیلنج رکھے ہیں۔ آج کے مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ صرف
ناقل فتویٰ نہ ہو، بلکہ وہ اسلام کے وکیل کا کردار بھی ادا کرے۔ خاص طور پر معاشرت اور معاملات کے احکام کے
بارے میں ایسی بصیرت کا حامل ہو کہ وہ ان کو حق و عدل کی کامل تصویر ثابت کر سکے۔

نئی ذہنیت نے اسلام کے معاشرتی اور معاملاتی احکام کے بارے میں یہ سنجیدہ شبہ پیدا کر دیے ہیں کہ وہ
(کم از کم موجودہ زمانے میں) حق و عدل کے نگہبان اور انسانی زندگی کو صلاح و فلاح کی طرف لے جانے والے نہیں
رہے ہیں۔ وہ ترقی میں رکاوٹ بنی نہیں بلکہ بے اعتدالی اور مختلف طبقات کی مظلومیت کا باعث ہیں۔ اس دور میں فتویٰ
اور دینی رہنمائی کے نظام کو اس چیلنج کو قبول کرنا ہی ہوگا اور دین کی ایسی حکیمانہ ترجمانی کرنی ہوگی جس سے وہ اپنے
زمانے میں سب سے زیادہ مٹی برحق و عدل اور انسانی فلاح و رشد کا حامل نظام ثابت ہو۔

اس دور کا مفتی بھی اگر ناناقل فتویٰ ہوگا تو وہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے بقول بہت سوں کیلئے ایمان کی
آزمائش اور گمراہ کن بنے گا، انہوں نے فرمایا تھا: ما انت بمحدث قوم حلیفا لا تبہلہم عقولہم الا کان
لبعضہم لفتنة (مقدمہ صحیح مسلم)۔ تم اگر لوگوں کو ایسی باتیں بتاؤ گے جو ان کی سمجھ میں نہ آئیں تو تم کچھ لوگوں کے لیے
ایمان کی آزمائش کا سبب بن جاؤ گے۔

جدید دور کی عقلیت اور ذہن و فکر کے اس نئے مغرب زدہ سانچے کو سمجھنے کے لیے ہم کو باقاعدہ منصوبہ بندی کرنی ہوگی۔ خاص طور پر اخلاقیات (Ethics) ساجیات (Sociology) سیاسیات اور معاشیات میں مغربی فکر و فلسفے کی بنیادوں کو سمجھنا ہوگا۔ اور اس مطالعے کے لیے ایک نصاب تیار کرنا ضروری ہے جو ان میدانوں میں زمانے کی سوچ سے واقف کرا سکے۔

اس کا آسان عملی طریقہ یہ ہے کہ اسلامی شریعت کے کسی بھی پہلو مثلاً اخلاق، معاشرت، نفسیات، اقتصادیات، سیاسیات، بین الاقوامی تعلقات وغیرہ سے متعلق شریعت کے احکام کے مطالعے سے پہلے ان پہلوؤں سے متعلق انسانی افکار کا مختصر جائزہ لے لیا جائے۔ تاکہ ایک مفتی و عالم کو یہ معلوم ہو کہ انسانی زندگی کے ان اہم شعبوں اور نظاموں کے بنیادی مسائل کیا ہیں اور ان کے بارے میں اسلام اور دوسرے حریف مکاتب فکر کا موقف کیا ہے۔ اس طرح ہمارے سامنے زمانے کی سوچ کا ایک خاکہ سامنے آجائے گا اور ہم دین و شریعت کی ترجمانی ہو امیں اور مخاطب کے مشکلات و تحفظات سے بے خبر ہو کر نہیں کریں گے، بلکہ جس زمانے میں اور جس نسل و معاشرے کو مخاطب بنا رہے ہیں اس کے ذہن و مزاج کی تہوں میں موجود افکار اور نفسیات سے واقف ہو کر کریں گے۔ جب اسلامی شریعت سے ذرا گہری واقفیت رکھنے والا ان میدانوں میں مغرب کے افکار کا مطالعہ کرتا ہے تو یہ حیران کن منظر اس کے سامنے آتا ہے کہ ”ومن لم يجعل الله له نور افعله من نور“ کے مصداق دنیا کے بڑے بڑے مفکر، جن کے نام پر یونیورسٹیوں میں مرد مٹے جاتے ہیں بونے اور کم سمجھ نظر آتے ہیں۔

یقیناً اسی اور صرف اسی راستے سے ہمارے لو جو ان اہل فتویٰ موجودہ دور میں اسلامی شریعت کی اطمینان بخش ترجمانی کے قابل ہو سکیں گے۔ زمانے کی نفسیات سے واقفیت اور اس میں رائج طرز استدلال پر دلالت کا یہ کام کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ اس کیلئے زمانے کے اعلیٰ لڑچجر پر نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ الحمد للہ ہم ایسے دور میں ہیں جب اسلامی شریعت اور مغربی تہذیب و قوانین کے موازنے پر اچھا لڑچجر عرب اور برصغیر کے علماء نے تیار کر دیا ہے اس لڑچجر نے عقلی اور علمی انداز میں اسلام کی برتری ثابت کی ہے اور اسلامی شریعت کی حکمت پر بصیرت افروز روشنی ڈالی ہے۔

مگر افسوس! صد افسوس! ہمارا افتاء کا موجودہ نظام اس روشنی سے دامن کشیدہ ہے۔ نہ صرف نظام افتاء کے لیے بلکہ پورے دینی تعلیمی نظام کے لیے اس موضوع پر نصاب تیار کرانے کی ضرورت ہے۔ خاص طور پر مغربی فکر کے وہ میدان جو ہماری فقہ و شریعت کے خاص موضوعات ہیں یعنی نفسیات، اخلاقیات، ساجیات، معاشیات اور سیاسیات جیسے انسانی و معاشرتی علوم ان کا تو اچھا خاصہ تجارتی مطالعہ باقاعدہ نصاب کا جزو ہونا چاہیے۔ ان موضوعات پر مغربی مفکرین کے نتائج فکر پر تنقید اور اسلامی شریعت سے ان کے موازنے پر مشتمل ماہرین کے لیکچرر تہمیدی تعارف کے لیے

منفید ثابت ہوں گے۔

(۴) اسلام کے مقابلے میں جدید دور کی جاہلیت کہاں کھڑی ہے اس کا بہترین پیمانہ خود اس تہذیب کے نتائج ہیں۔ سیاسیات، معاشیات اور سماجی میدان میں مغربی طرز زندگی اور مغربی ماڈل نے جو نتائج پیدا کیے ہیں اسکے لیے قرآن کی اصطلاح فساد فی الارض سے بہتر کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ اس نے اگر سماجی میدان میں انسان سے انسانی سماجی شعور چھین لیا اور اس کو خود غرض انفرادیت میں جتلا کر دیا، اور سماج کی بنیادی اکائی خاندان ہی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گیا تو سیاسیات کو اس نے مکمل فساد آرمیت میں مبتلا کر دیا اور اخلاقیات سے عاری کر کے درندہ اور خون آشام بنا دیا ہے۔ معاشیات تو اس فساد آرمیت کا شاہکار ہے، اس میدان میں تو مغرب ایسا ننگا ہوا ہے کہ خود اس کے لوگ اس پر تھوک رہے ہیں۔ دولت پر تھوڑے سے عیاشوں اور گھوٹالے بازوں کا قبضہ ہے اور باقی انسانیت ان کی نگلی بھوکی غلام۔

موجودہ دور میں اسلامی شریعت کی بہترین ترجمانی کے لیے ضروری ہے کہ مغربی تہذیب اور اس کے زیر تربیت قائم نظام نگاہائے کفر کی اس حقیقی تصویر کو سامنے لایا جائے جس پر کارپوریٹ دنیا کے زر خرید میڈیا کے ذریعے پردہ ڈال دیا گیا ہے۔ لیکن اس حقیقی تصویر کی کچھ نہ کچھ حقیقی جھلک معاشرتی اور معاشی تجزیوں اور اعداد و شمار پر مبنی رپورٹوں میں آ جاتی ہیں۔ جن میں خاص طور پر مغربی اور جدید دنیا کی سماجی، نفسیاتی، سیاسی اور معاشی صورت حال پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ یہ تجزیے اور رپورٹیں حیران کن حد تک مغربی طرز تہذیب کے افلاس و فساد کا منہ دکھاتی ہیں۔

اس حقیقت کو ایک مثال سے اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے، ابھی ماضی قریب میں عورتوں کے کسب معاش کے لیے گھر سے باہر کی موجودہ تیز رفتار و جھوم خیز دنیا میں شرکت سے متعلق ایک متوازن فتویٰ دیا گیا جس کا حاصل یہ تھا کہ بے ضرورت ایسا نہ کیا جائے اور پھر بھی اختلاط مرد و زن سے اجتناب شرط ہے۔ بس کیا تھا میڈیا اور کفار و منافقین کے لشکر دوڑ پڑے۔ اگر اس طرح کے فتوؤں کے ساتھ ذرا موجودہ دنیا میں عورتوں کے ساتھ مارکیٹ میں کیا ہو رہا ہے اور عورتوں کے معاشی سرگرمیوں میں سرگرم حصہ لینے کے کیا اخلاقی معاشرتی اور نفسیاتی نتائج مشرق و مغرب میں آرہے ہیں، اس کا بھی مختصر سا تذکرہ ہو جایا کرے تو بے حد اطمینان کا باعث ہو اور اسلام کے ترجمان مفتیوں کے ہارے میں یقیناً یہ تاثر قائم ہو کہ یہ گروہ رنجیت پسند اور گھسے پٹے نظریات کے پجاریوں کا نہیں بلکہ انسان کے فلاح کے نہایت بنیادی اور اہم اصولوں کے داعیوں کا ہے۔ مثلاً ابھی دہلی کی ایک غیر سرکاری تنظیم (C.F.T.I) Centre for Transforming India نے ملک کے ۶ بڑے شہروں کی اطلاعاتی ٹیکنالوجی (I.T) سے متعلق شعبوں میں کام کرنے والی عورتوں کے ساتھ کی جانے والی جنسی زیادتیوں کے بارے میں ایک سروے کیا۔ "Workplace Sexual Harassment Survey" کے عنوان سے مرتب اپنی رپورٹ میں اس تنظیم نے یہ چونکا دینے

والا انکشاف کیا کہ ان شعبوں میں کام کرنے والی عورتوں کی غالب میں اکثریت یعنی ۸۸ فی صد (88%) کو تلاش معاش کی جدوجہد کے دوران جنسی زیادتیوں (Sexual Harassment) کا سامنا کرنا پڑا۔ اس رپورٹ سے متعلق ایک نہایت مختصر سی خبر ہندوستان ٹائمز کے ۴ نومبر کے دہلی ایڈیشن کے پہلے صفحے پر شائع ہوئی، راقم سطور نے اس تنظیم کے ذمے دار مسٹر پنکج شرما سے مفصل رپورٹ مانگی تو اس میں یہ لرزادینے والی صورت حال بھی بیان کی گئی ہے کہ ان میں سے ۹۱ فیصد کی اکثریت نے اس کی کہیں شکایت نہیں کی ہے اور پچاس فیصد عورتیں تو اس کو پیشہ وارانہ زندگی (Professional Life) کا لازمی حصہ مان کر اس پر راضی ہیں۔ اب کون عقل سلیم والا یہ جرأت لائے گا کہ اس فتوے کو نامعقول کہے۔ اس رپورٹ کا کچھ حصہ تنظیم کی ویب سائٹ www.cfti-ngo.com پر بھی دستیاب ہے۔

یہ تو عورتوں کے معاشی جدوجہد میں مردوں کے ساتھ حصہ لینے کا بس ایک پہلو ہے۔ اس کے دیگر اخلاقی اور معاشرتی نتائج مثلاً ملاقاتوں کی کثرت اور بچوں کی بیچارگی اس پر مستزاد ہیں۔ اور ہر پہلو سے متعلق تفصیلی جائزے اور اعداد و شمار ہر کوشش کرنے والے کی دسترس میں ہیں۔ ہمارے افقا کے نظام میں ان چیزوں سے براہ راست واقفیت کے امکانات پیدا کیے جانے چاہئیں تاکہ دینی رہنمائی کا یہ نظام عصر حاضر کے لیے پورا معنی خیز کردار ادا کر سکے۔ علماء کرام اور ارباب فکر کی اس مجلس میں میں ذرا جرأت سے کام لے کر یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ایسی علمی تربیت کا جو اصل راستہ ہے وہ شاید ہمارے لیے نامانوس اور لمبا محسوس ہوتا ہے مگر میں آپ سے دست بستہ لیکن صراحت سے عرض کر دوں گا کہ اس کا کوئی شارٹ کٹ نہیں ہے اور نہ بے دلی سے کی جانے والی کسی سرسری کوشش سے وہ طے ہو سکتا ہے۔

(۵) حضرات زمانے کا ارتقا اور معاشرتی و معاشی تبدیلیاں لگاتار جاری رہتی ہیں۔ ہم آپ جس دور میں ہیں یہ برق رفتار اور بڑی تبدیلیوں کا زمانہ ہے۔ فساد انسانیت کا عجیب حال ہے، جو حکم شرعی میں اپنا اثر رکھتا ہے۔ نئے وسائل کی ایجاد اور نئے تمدن نے زندگی کے اطوار بدل ڈالے ہیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ”من لم یکن عالما باہل زمانہ فہو جاہل“ دینی رہنمائی اور افقا کے نظام کی ذمہ داری ہے کہ وہ لگاتار ان تبدیلیوں پر اور فتاویٰ کی دنیا پر موازناتی نظر رکھے اور اس کو دیکھتا پرکھتا رہے کہ فتویٰ اور حکم فقہی عدل اور حکمت و مصلحت کے تقاضوں کو پورا کر رہے ہیں یا نہیں۔ اور اگر کہیں یہ محسوس ہو کہ ماضی کے اجتہادی حکم سے عدل کے تقاضے پورے نہیں ہو رہے بلکہ معاشرتی تبدیلیوں اور معروضی حالت میں اس کے اُلٹے نتائج پیدا ہو رہے ہیں تو سلف کے موروث اجتہادی ذمہ و رک میں رہتے ہوئے فتوے کی تبدیلی کی ضرورت ہوگی۔ خصوصاً اگر مذاہب اربعہ کے دائرے میں وہ فتویٰ یا آسانی ملتا ہے جو عدل و مصلحت کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے تو اس کے اختیار کرنے میں تردد اور تاخیر ہمارے نظام فتویٰ کو بدنام کرنے کا سبب بنے گی۔ حافظ

ابن القیمؒ نے اصول افتاد و ادب مفتی پر اپنی شاہکار کتاب: اعلام الموقعین میں حالات اور زمانے کے بدلنے سے فتوے کی تبدیلی کے موضوع پر ایک خاص باب ”فصل فی تغیر الفتویٰ و اختلافها بحسب تغیر الزمانہ والامکنہ والا حوال والنیات والعوائد“ کے نام سے قائم کیا ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں:

هذا فصل عظیم النفع جدا، وقع بسبب الجهل به غلط عظیم علی الشریعة.. وہی عدل کلھا ورحمة کلھا و مصالح کلھا و حکمة کلھا، فکل مسألة خرجت من العدل الی الجور وعن الرحمة الی ضلھا وعن المصلحة الی المفسدة وعن الحکمة الی العبث فلیست من الشریعة.

یعنی یہ ایک عظیم فائدے کا حامل بحث ہے، جس سے ناواقفیت کی وجہ سے شریعت کے ہارے میں بڑی سنگین غلطیاں ہوئی ہیں۔ شریعت سر اپا عدل سر اپا رحمت سر اپا مصلحت اور سر اپا حکمت ہے، لہذا جو مسئلہ بھی (حالات کی تبدیلی سے) عدل سے نکل کر ظلم کی حدود میں داخل ہو گیا یا رحمت سے اس کی ضد بن گیا یا مصلحت سے مفسد بن گیا یا حکمت سے عبث و بے فائدہ ہو گیا تو اب وہ شریعت نہیں رہا۔

اس کے لیے ضروری ہے کہ تبدیلی فتویٰ کے اسباب و اصول پر ایک علمی کتاب مرتب کی جائے اور اس کو افتاء کے نصاب کا حصہ بنایا جائے۔ ہمارے یہاں اس سلسلے میں اچھا علمی کام سامنے آ رہا ہے۔ مگر ان چیزوں کے لیے فتویٰ کے نظام و نصاب میں نفوذ کی راہیں اکثر مسدود رہتی ہیں۔ نہایت ادب اور اختصار کے ساتھ عرض کیا جاتا ہے کہ اس کے جہاں اور بہت سے وہ اسباب ہیں جن کا تعلق جمود، حالات اور وقتوں کے کم شعور اور مسلکی حساسیت سے ہے وہیں ان حلقوں کے مخصوص تحفظ کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ وہ دیکھتے ہیں کہ ماحول میں تجدید پسندی اور مغرب پرستی کی کیسی ایمان سوز تحریریں مستقل سرگرم ہیں، جن سے ان کو بجا طور پر تحریف دین کا خطرہ ہے۔ یہ خطرہ حقیقی اور سنگین ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ان تحفظ پسند حلقوں کی اس کیفیت کے جائز اسباب بھی ہیں۔ ماضی کے تجربات اور حال کے اندیشے ان کے لیے لگا تار تشویش کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ ان اندیشوں کو دور کرنے کی بھی سنجیدہ کوشش کی ضرورت ہے۔ اور جب تک ان خطرے سے تحفظ یقینی نہ ہو احتیاط و درع ہی نہیں سلامتی بھی اسی تحفظ پسند سوچ میں ہے کہ ”درپے دنیا دیں ہم رفت“ نہ ہو۔ (بشکریہ ماہنامہ ”الفرقان“، لکھنؤ)

اب قارئین ماہنامہ ”الحق“ فیس بک پر بھی ملاحظہ کر سکتے ہیں



facebook/Alhaq Akora Khattak